علیؓ

صرف تاریخ کی روشنی میں

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے قلم سے

مترجم

(مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی)

مصر کے شہرۂ آفاق ادیب و محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت پر دو مبسوط اور محققانہ کتابیں لکھی تھیں، ان کتابوں میں تاریخی واقعات کا تجزیہ جس خاص انداز سے کیا گیا ہے اُس کا اثر یہی ہونا چاہیے تھا کہ دنیائے اسلام میں ان کی دھوم مچ گئی اور ناقدین نے اپنے مذاق کے مطابق ان پر خوب خوب اظہار رائے کیا، یہ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ہمارے دور کے ایک ایسے مورخ ہیں جن کے قلم میں شوخی و لطافت اور زور بیان کے ساتھ جرأت و آزادی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس لئے قدرتی طور پر ان کے اسلوب و تعبیر میں وہ احتیاط باقی نہیں رہ سکتی تھی جو خلافت راشدہ اور عہد خلفائے راشدین کے بیان میں ہونی چاہیئے، اس کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنے رنگ میں یکتا ہیں اور ان میں بہت سے نازک اور الجھے مسائل کا غیر جانب دارانہ اور مورخانہ جائزہ لیا گیا ہے، مولانا عبدالحمید نعمانی نے جو جدید عربی زبان کے استاد ہیں اور عربی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کی عمدہ استعداد رکھتے ہیں ۱۹۵۵ء میں "عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں" کا ترجمہ کیا تھا جس کے بہت سے ابواب "برہان" میں بھی شائع ہوئے تھے، موصوف نے اب دوسری کتاب

"علیؓ صرف تاریخ کی روشنی میں" کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا ہے اور قدیم روایات کے مطابق اس کے بعض خاص اور اہم ابواب کا ترجمہ سب سے پہلے "برہان" کے لیے مرحمت فرمایا ہے امید رکھنی چاہیے کہ پہلی کتاب کی طرح دوسری کتاب بھی جلد شایع ہوگی۔ ("برہان")

مسلمان، حضرت عثمانؓ کے بعد

حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مسلمانوں کو دو ایسی خطرناک مشکلیں درپیش آئیں جن کی صدیق اکبرؓ کے عہد سے لے کر اب تک کی مشکلات میں کوئی مثال نہیں ملتی، ایک مشکل کا تعلق خود منصب خلافت سے ہے اور دوسری نظام کے برقرار رکھنے اور قاتلوں اور فسادیوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دینے سے متعلق ہے۔

حضرت عثمانؓ کے حادثے کے دن شام ہو چکی تھی اور مسلمانوں کا کوئی امام نہ تھا جو ان کے معاملات کا منتظم، ان کے نظام کا نگراں اور ان کے اقتدار کا حاکم ہوتا، اللہ کے احکام ان میں جاری کرتا، اور ان سب کاموں کے بعد وہ اس عظیم الشان حکومت کے معاملات پر نظر رکھتا جس کو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے قایم کیا تھا اور عثمان غنیؓ نے جس کے حدود مغرب و مشرق تک پھیلا دیے تھے، اس لئے کہ یہ مفتوحہ مقامات اور علاقے جہاں ابھی مسلمانوں کا اقتدار پوری طرح جم نہ سکا تھا اس کے محتاج تھے کہ کوئی انھیں سنبھالے، وہاں کے نظام میں استقلال اور مضبوطی پیدا کرے، اور ان کی سرحدوں کو بہت دور کر دے جو متعین ہونے نہیں پائی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے مسلسل فتوحات کی بنا پر تغیر پذیر تھیں کہ اتنے میں فتنہ و فساد کا دور آگیا اور مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے، یا یوں کہئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فتوحات سے ہٹ کر فتنوں میں مشغول ہو گئی۔

اسلامی فوجوں کا بڑا دستہ سرحدوں پر اس طرح رہا کرتا کہ آج ہی کل آگے بڑھیں، ان فوجوں کا کام صرف یہ نہ تھا کہ فتوحات حاصل کریں بلکہ مفتوحہ سرزمین میں آئین کا اجرا بھی انھیں کا کام تھا وہ پہلا پرانا اقتدار ختم کر کے اس کی جگہ نیا اقتدار قایم کرتی تھیں، پھر نظام میں ایک طرف فاتحین کے

مزاج کے مطابق کچھ اضافے کرتیں، دوسری طرف مفتوحین کی طبیعت اور افتاد کی رعایت سے پہلے نظام کی کچھ باتیں باقی رکھتیں، ان اسلامی فوجوں کو اس کی ضرورت تھی کہ مزید فوج اور ساز و سامان سے کوئی ان کی امداد کرتا رہے، پلان بتائے اور ضرورت کی ہر چیز ان کے لئے فراہم کرے۔

ظاہر ہے کہ جن مہاجر اور انصار نے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور خود حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی ان کے دامن پر حضرت عثمانؓ کے خون کا کوئی دھبہ نہیں، یہ تو بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر مقیم فوجوں میں سے بعض ٹولیوں کا کام تھا اور بعض ان دیہاتیوں کا جو ان ٹولیوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ مہاجر زادے بھی اس کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اعانت کی۔

بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ اس حادثے میں تین مختلف خیال کے تھے، زیادہ تر تو ایسے تھے جو صورتِ حال دیکھتے، رنجیدہ ہوتے، اصلاح کا ارادہ کرتے لیکن کچھ بن نہ پڑتی اور پھر کوتاہی یا بے نیازی سے نہیں بلکہ مجبوری اور بے چارگی سے خاموشی اختیار کر لیتے، کچھ صحابہ ایسے تھے جن پر معاملات اچھی طرح کھل نہ سکے انھوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ فتنے سے دور گوشۂ عافیت میں جا بیٹھیں اور غیر جانبدار رہیں، ان تک اللہ کے رسول کی وہ حدیثیں پہنچی تھیں جن میں فتنوں سے ڈرایا اور ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ کچھ تو خانہ نشین ہو گئے اور بعضوں نے مدینہ کی سکونت چھوڑ دی کہ اپنا دین اپنے ساتھ لئے لوگوں سے دور رہیں کچھ صحابہ ایسے تھے جنہوں نے نہ گوشۂ عافیت میں جانا پسند کیا اور نہ اپنے کو بے چارگی کے حوالے کرنا بلکہ وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان میں کھڑے ہو گئے، بعضوں نے خلیفہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے کوشش کی کہ باغیوں اور خلیفہ میں مصالحت کرا دیں اور بعضوں نے حضرت عثمانؓ سے شدید اختلاف کیا اور ان سے اپنی انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف لوگوں کو ابھارا، ان سے دشمنی پر آمادہ کیا اور بعضوں نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس کا مطلب کم سے کم یہ نکلتا ہے کہ انھوں نے نہ باغیوں کو برا سمجھا اور نہ ان کو مقابلہ کرنے سے روکا۔

پھر جب حضرت عثمانؓ قتل ہو گئے تو اکثر صحابہ بری طرح متاثر ہوئے کہ وہ خلیفہ کی کچھ مدد نہ کر سکے، اب انھوں نے مستقبل پر غور کیا اور تہیّہ کر لیا کہ اپنے معاملات اور آنے والے واقعات کا مقابلہ کریں گے، گوشہ عافیت میں چلے جانے والوں نے کنارہ کشی ہیں اور شدت پیدا کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنی روش پر قایم رہے گناہ میں شرکت نہیں کی اور فتنے سے بچا لئے گئے، اب رہے دوسرے حضرات تو وہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ کیا کرتے ہیں اپنے دیر اعتماد کرتے ہیں یا کسی لیڈر کی پناہ لیتے ہیں اور مسلمانوں کا کوئی مقررہ نظام محفوظ شکل میں یا تحریر کی صورت میں تو تھا نہیں جس کے مطابق منصب خلافت جب وہ خالی ہو، پُر کر لیا کریں وہ تو ایسے مواقع پر جس طرح بن پڑتی اس خلا کو پُر کر لیا کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ کی بیعت کس طرح ہوئی آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ کس طرح اپنی بیعت کو ایک اتفاقی معاملہ فرماتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں کو فتنے سے بچایا، آپ سے یہ بھی مخفی نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے اور مسلمانوں سے ایک بات کہی اور مسلمانوں نے اس کو مان لیا، نہ کسی کو ناگوار ہوئی نہ کسی نے جھگڑا کیا، مہاجرین میں سے بعضوں نے خود صدیق اکبرؓ سے کچھ لے دے کرنا چاہی لیکن آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے، اس کا بھی آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو کوئی ہدایت نہیں کی بلکہ اس کے لئے چھ مہاجروں کی ایک مجلس شوریٰ بنادی جن سے اللہ کے رسولؐ زندگی بھر راضی رہے، ان میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا، پھر حضرت عثمانؓ نے بھی کسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں کی اور اگر وہ فرماتے بھی تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اس لئے کہ وہ اُن سے، اُن کے حاشیہ نشینوں سے اور ان کے گورنروں سے واقعات کی بناء پر ناراض تھے۔

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمرؓ نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمانؓ کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے اس لئے کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا عثمانی خلافت کے دوران ہی میں انتقال ہو چکا تھا پس سعد ابن ابی وقاصؓ، زبیر ابن العوامؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ اور علی

ابن ابی طالبؓ باقی رہ گئے تھے، ان چاروں میں بھی سعد ابن ابی وقاصؓ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لہذا کل تین ہی رہ گئے تھے، مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہؓ اب مدینہ منورہ میں معاملے کے وقت موجود نہ تھے کچھ لوگ تو ارتداد کی لڑائیوں، اور روم و فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے تھے ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہ تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے پس حضرت عثمانؓ کے حادثے کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اُس جماعت جیسی نہ تھی جو تینوں خلفا کی بیعت کے موقع پر حاضر تھی۔

پھر علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ میں بھی باہم اتحادِ خیال نہ تھا، مظلوم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرزِ عمل الگ تھا، اور اسبابِ قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی۔

حضرت علیؓ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی جیسا کہ اس کتاب کے پہلے حصہ میں گذرا انھوں نے باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان گفت و شنید کا فرض انجام دیا، باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمانؓ کو راضی کر لیا، پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علیؓ ان کو نکال باہر کرنے سے مایوس ہو گئے تو چاہا کہ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے، پھر سخت محاصرے کے زمانے میں جب حضرت عثمانؓ بہت پیاسے تھے آپ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں۔

زبیرؓ نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا اور نہ مخالفوں کو ابھارنے اور آمادہ کرنے میں قابلِ ذکر سرگرمی دکھائی البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے، طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی، شاید وہ یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی۔

اب رہے طلحہؓ تو وہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے باغیوں کو علانیہ بھڑکاتے تھے ان کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے حضرت عثمانؓ نے اس کی شکایت کھلے طور

پر بھی کی اور بصیغۂ راز بھی بار بار اظہار کیا، راویوں کا بیان ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے امداد چاہی، چنانچہ آپ طلحہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ طلحہ اپنی یہ روش چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آئے، تب حضرت علیؓ ان کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر طلحہ کے ساتھی ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت علیؓ کی اس کارروائی سے حضرت عثمانؓ خوش تھے۔

راویوں کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر طلحہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ حاضری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے طلحہ تجھ سے خدا حساب لے گا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو بہر حال حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مدینے میں یہ تینوں منتظر تھے کہ لوگ کیا کرتے ہیں اور حالت یہ تھی کہ پوری آبادی پر باغیوں نے خوف و ہراس کا وہ عالم طاری کر دیا تھا کہ مظلوم خلیفہ کی لاش رات کی تاریکی میں لوگوں سے بہت چھپا کر دفن کی جا سکی۔

حضرت عثمانؓ کے بعد امام کی بیعت کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ قتل کے بعد ہی حضرت علیؓ کے لئے بیعت لی گئی لیکن یہ واقعہ نہیں ہے، اس مبہوت کر دینے والی شورش اور بغاوت کے پیش نظر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کئی دن تک لوگوں نے اس طرح گذارا کہ ان کا کوئی امام نہ تھا ان دنوں ان کے معاملات کی لگام بغاوت کے ایک لیڈر غافقی کے ہاتھ میں تھی۔

خلیفہ سے فرصت پا لینے کے بعد باغی حیران تھے، وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے اور اس امام کی بیعت جس قدر جلد ممکن ہو کر لینی چاہیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر اُن پر قابض ہو جائیں اور ان سے جو طاقت ور ہو، معاویہ نہ کہیں اپنی فوج بھیج کر مدینہ اپنے اقتدار میں کر لیں اور پھر باغیوں کو ان کے کئے کی سزا دے دیں، باغی یہ بھی

جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا، اس لئے کہ امامت کا معاملہ مہاجرین اور انصار کے ہاتھ میں ہے وہی قریش کے کسی فرد کو چن کر بیعت کرتے ہیں۔

پھر ان کی خواہشیں بھی مختلف تھیں، مصری حضرت علیؓ کو چاہتے تھے کوفہ کے لوگ زبیرؓ کے ساتھی تھے، بصرہ کے باشندے طلحہؓ کے طرفدار تھے۔ ان میں سے ہر ٹولی اپنے اپنے لیڈروں کے ہاں آتی جاتی تھی لیکن تینوں لیڈر اپنی جماعت کی طرف سے پیش کردہ امامت قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، بالآخر باغیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اکیلے امام کا تقرر نہیں کر سکتے اور اس سلسلے میں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہاجر اور انصار کا تعاون حاصل کریں جو ان تینوں میں کسی کو پسند کریں اور اس سے اس منصب کے قبول کرنے پر اصرار کریں تب یہ ان کے اصرار کی تائید کریں یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے۔ چنانچہ یہ باغی صحابہ کے گھروں کے چکر لگانے لگے اور ان سے اصرار کے ساتھ درخواست کرنے لگے کہ امت کے لئے ایک امام چن دیجئے۔ مہاجر اور انصار نے دیکھا کہ یہ کام تو بہر حال کرنا ہے، پس انھوں نے خود سوچا اور اپنے ملنے والوں سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ عام رجحان حضرت علیؓ کی طرف ہے اور لوگ ان کو طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں پر مقدم خیال کرتے ہیں۔

اس طرح انصار اور مہاجرین نے حضرت علیؓ کو خلافت کا منصب پیش کیا اور ان سے قبول کر لینے پر اصرار بھی کیا، پھر باغیوں نے اس اصرار کی تائید کر دی، حضرت علیؓ نے انکار کرنا چاہا لیکن انھیں انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، باغیوں کے پیش کرنے پر آپ نے ضرور انکار کیا تھا لیکن اب جب کہ مہاجر اور انصار بھی پیش کر رہے ہیں اور سابق خلفا کی طرح کرنا چاہتے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں رہی چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی، اور سابقہ روایت کے مطابق منبر نبوی پر جا بیٹھے، اور لوگ آ کر بیعت کرنے لگے، ہاں چند آدمیوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے اصرار بھی نہیں کیا اور نہ باغیوں کو اجازت دی کہ ان کو مجبور کریں۔ ان چند آدمیوں میں ایک سعد ابن ابی وقاص بھی ہیں جو مجلس شوریٰ کے

ایک رکن تھے انھوں نے انکار کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے کہا "میری طرف سے آپ مطمئن رہیئے"، حضرت علیؓ نے ان کو اس کی آزادی دے دی، انکار کرنے والوں میں دوسرے عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے امن پسندی اور لوگوں کے معاملات میں دخل دو معقولات نہ کرنے کی ضمانت طلب کی عبداللہ ابن عمرؓ نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا، حضرت علیؓ نے کہا چھوٹے سے بڑے ہوگئے لیکن میں نے ہمیشہ تم کو ناشائستہ پایا اس کے بعد فرمایا اسے جانے دو میں خود اس کا ضامن ہوں، گوشہ نشینوں کی ایک جماعت نے بھی بیعت سے انکار کیا تھا حضرت علیؓ نے ان کو بھی مجبور کرنا نہیں چاہا اور نہ اُن پر کسی زیادتی کے روادار ہوئے طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی لیکن باغیوں نے ان کو مجبور کیا اور حضرت علیؓ نے بھی ان دونوں کو سعد ابن ابی وقاصؓ، عبداللہ ابن عمرؓ وغیرہ کی طرح معاف نہیں کر دیا اس لئے کہ باغیوں کی طرح ان کو حضرت علیؓ بھی خوب جانتے تھے، ان کو معلوم تھا کہ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں، وہ جانتے تھے کہ زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر کسی کو اکسایا نہیں لیکن کسی باغی کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں طلحہؓ سے کم نہیں اس لئے ان کو بیعت سے معاف نہیں کیا کہ جس قدر بھی ہو سکے ان کو پابند کر لیں، بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ کی بیعت حضرت عثمانؓ کے قتل کے پانچ دن بعد ہوئی اور بعض روایتوں میں آٹھ دن ہے، اس کے بعد یہ بات عام ہوگئی کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں اور حجاز پر حضرت علیؓ کی سیادت قایم ہوگئی۔

حضرت علیؓ کے لئے ایک غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ شام کا تھا، صورتِ حال یہ تھی کہ ایک تو شام بغاوت سے الگ رہا، دوسرے اس کی زمام حکومت حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی، آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ شام اور معاویہؓ کے ساتھ حضرتِ علیؓ کا طرزِ عمل کیسا رہا۔ لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے امام ہوگئے مدینے میں جو مہاجر و انصار موجود تھے انھوں نے آپ کی بیعت کرلی، سرحدوں کی طرف سے اُن

باغیوں نے آپ کی بیعت کی جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو خطرناک مشکلوں میں سے ایک یعنے خلافت اور خلیفہ کی مشکل کا خاتمہ ہو گیا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ حضرت علیؓ اور عام لوگوں پر یہ واضح ہو گیا کہ مصیبت دور ہو گئی اور اب اس کے بعد تمام معاملات میں امن، خوش گواری اور استقلال پیدا ہو جائے گا۔

نئے امام کے لئے ضروری تھا کہ اب دوسری خطرناک مشکل کی طرف متوجہ ہو، یہ دوسری مشکل مقتول امام کا مسئلہ ہے، نئے امام کا فرض ہے کہ وہ مقتول امام کے خون اور اس کے قاتلوں کے بارے میں اللہ کے فرمان اور دین کے حکم کا اعلان کرے، اگر مقتول امام ظالم تھا تب تو بدلے کی اور قاتلوں سے قصاص کی کوئی بات نہیں، لیکن اگر مظلوم تھا تو جدید امام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا بدلا لے اور قاتلوں پر قصاص کا حکم جاری کرے جو اللہ کا فرمان ہے،

مہاجر اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت عثمانؓ مظلوم تھے اور امام کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ اس خون کا بدلا لے اور اگر حقوق کی پامالی کی جاتی رہی، خوں ریزی ہوتی رہی اور حدود کا اجرا عمل میں نہیں آیا تو دین کے قیام کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ مقتول اگر کوئی معمولی انسان ہوتا تب بھی یہ سب کچھ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ وہ امام اور مسلمانوں کا خلیفہ ہو، مہاجر اور انصار کہا کرتے تھے ــــ عثمان کے قاتلوں سے اگر ہم قصاص نہ لیں تو لوگ کس طرح اس بات سے رک سکیں گے کہ جس امام پر غصہ آیا اس کے خلاف بغاوت کر دی اور پھر اس کو قتل کر دیا، یہی بات لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہی، آپ نے سنا اور ان کے خیال کی تصدیق کی اس کے بعد اُن کے سامنے حقیقت کی یہ تصویر پیش کی کہ جہاں تک اقتدار کا سوال ہے بلاشک وہ بیعت کے ذریعے میری طرف منتقل ہو چکا ہے، لیکن عملاً تو وہ اب تک باغیوں کے ہاتھ میں ہے آج شہر پر انہیں کا فوجی قبضہ ہے خلیفہ اور صحابہ بے بس ہیں وہ شہر اور شہریوں کے بارے میں جیسا بھی چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں ایسی حالت میں اچھا یہ ہے کہ کچھ دنوں مہلت اور معقولیت کا سہارا لیا جائے تا آنکہ معاملات سیدھے ہو جائیں اور خلیفہ

ہو اقتدار مستحکم ہو جائے اس کے بعد اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے گی اور کتاب وسنت کی روشنی میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کا اجراء کیا جائے گا۔

صحابہ تو حضرت علیؓ کے نقطۂ نظر سے مطمئن ہو گئے لیکن باغیوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ انھوں نے خلیفہ کا خون اس لئے کیا ہے کہ وہ ظالم تھا جس کے لئے بدلے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ امام کو اس کے عوض کسی کی جان لینی چاہیئے۔

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون کی تحقیق کا ارادہ کیا لیکن کارروائی کی تکمیل کی صورت نہ نکل سکی ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خون میں محمد ابن ابوبکر کا بھی ہاتھ ہے یہ محمد ابن ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی اور خود حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم عثمانؓ کے قاتل ہو، انھوں نے انکار کیا اور حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے ان کی تصدیق کر دی لیکن جیسے ہی باغیوں کو بھنک لگی کہ حضرت علیؓ تحقیقات کر رہے ہیں انھوں نے اپنے اتحاد اور غصے کا اظہار کیا، جس کے بعد حضرت علیؓ نے وہ روش اختیار کی جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور موقع کا انتظار کرنے لگے آپ کے ساتھ مدینہ کے عام صحابہ بھی منتظر رہے۔

شاید ناظرین کو یاد ہو گا کہ تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کو جس قسم کا الجھاؤ پیش آیا تھا حضرت علیؓ کو بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اسی قسم کی ایک پیچیدگی کا سامنا ہوا، حضرت عثمانؓ کو سب سے پہلی مشکل عبیداللہ ابن عمرؓ کی پیش آئی جنھوں نے ہرمزان کو اس تہمت پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے ان کے باپ کے قتل پر آمادہ کیا تھا لیکن عبیداللہ نے یہ خون بلا ثبوت اور بلا دلیل کیا تھا ان کے پاس اس کے لئے قاضی کا کوئی فیصلہ نہ تھا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال تھا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں کہ عبیداللہ

پر قتل کی حد جاری ہونی چاہیئے اور ایک دوسری جماعت پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے قتل سے کریں، حضرت عثمانؓ نے عبید اللہ کو معاف کر دیا اس لئے کہ ہرمزان کا کوئی ولی نہ تھا جو خون کا دعوی کرتا البتہ میں خلیفہ ولی ہوتا ہے جسے معاف کر دینے کا بھی حق ہے۔ اس وقت حضرت علیؓ اور بہت سے مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا، اس کو ایک ظلم، ایک خون ناحق اور اللہ کے حدود میں ایک تجاوز خیال کیا، حضرت علیؓ عثمانؓ کے عہد کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اس فاسق کو پا جاؤں گا تو ہرمزان کے قتل کے بدلے اس کو ختم کر دوں گا۔

حضرت عثمانؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا لڑکا ناحق خون کے الزام میں پیش ہوتا ہے حضرت عثمانؓ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور اس معافی پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

حضرت علیؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک دوسرے خلیفہ کا لڑکا قتل کے الزام میں پیش ہوتا ہے اور قتل بھی کس کا، رعایا میں سے کسی پناہ گزیں غیر ملکی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک امام کا لیکن علیؓ محمد ابن ابو بکر کو معاف نہیں کرتے اس کی تحقیقات کرتے ہیں جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے اس کے بعد واقعات اور حالات مزید تحقیقات کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کے حق میں دین کا حکم جاری نہیں ہوتے پاتا۔

اور واقعہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابو بکر نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کا خون نہیں کیا بلکہ وہ اوروں کی طرح دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے محمد بن ابو بکر کا گہرا یا ہلکا تعلق ضرور تھا لیکن اس خونی حادثے سے جن لوگوں کا پورا پورا تعلق تھا وہ اتنے زیادہ اور اتنے قوی اور اتنے خوفناک تھے جن پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا یا جدید امام ان سے قصاص نہیں لے سکتا تھا، اس کے بعد تو جو واقعات پیش آئے آپ آگے پڑھیں گے کہ ان کی وجہ سے مقتول خلیفہ کا قضیہ مشکل و پیچیدہ ہی ہوتا گیا۔

حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال

جس خوشنودی، خوشدلی اور سکونِ قلب کے ساتھ بڑھتی ہوئی منگوں اور شگفتہ امیدوں کے ماحول میں مسلمانوں نے حضرتِ عثمانؓ کی خلافت کا استقبال کیا تھا وہ بات حضرت علیؓ کی خلافت کے استقبال میں نہ تھی، یہاں تو سکتے کا عالم تھا اور بےچینی، خوف و ہراس تھا اور اضطراب، لوگوں میں کشاکش تھی اور معاملات میں پیچیدگی، اس لئے نہیں کہ حضرت علیؓ میں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی لیا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطراری طور پر پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ خلافت کے تخت پر ایک ایسے خلیفہ کے بعد بیٹھے جو بڑا صاحب اقتدار اور سخت گیر تھا انصاف کی خاطر اس نے لوگوں کو جن پرخار اور دشوار گذار راہوں پر چلایا اس کی تاب وہی لوگ لا سکتے تھے جو ارادے کے بڑے پکے اور جن میں صبر اور برداشت کا غیر معمولی حوصلہ ہو اُس نے لوگوں کے معاملے میں بڑی شدت برتی ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اللہ کے معاملے میں حضرت عمرؓ عموماً مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر قریش کے لئے کتنے سخت تھے اور کس طرح ان کو خطرہ تھا کہ قریش کہیں بپتے لئے یا دوسروں کے لئے فتنے کا باعث نہ بن جائیں، لیکن حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سختی کی جگہ نرمی، گرفت کی جگہ چشم پوشی، تنگی کی جگہ فراخی سے کام لیا، مشقت کے بدلے راحت پہنچائی وظیفوں میں اضافہ کر دیا، دشواریوں کی جگہ آسانیاں فراہم کر دیں، لوگوں نے ان کی خلافت کے ابتدائی برسوں میں اُن کو حضرت عمرؓ سے بڑھ کر جانا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا دور آیا انھوں نے مقررہ وظیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا نہ مالِ غنیمت میں سے کچھ دیا نہ لوگوں کے کاموں میں کوئی آسانی پیدا کی اور کرنا چاہا تو یہ کہ حضرت عمرؓ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے وہاں سے پھر چلنا شروع کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے بعد لوگ امن اطمینان سے تھے ہاں اُن کے امن و اطمینان میں ایک

ہلکے رنج کی آمیزش ضرور ہو گئی تھی اور وہ مغموم سے تھے کہ یہ نیک اور متقی امام دھوکہ دے کر ان سے اُچک لیا گیا، یہ حادثہ مہاجر اور انصار کی موجودگی میں نہیں ہوا اور نہ یہ شہروں اور سرحدوں کے باشندوں اور فوجیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، پس یہ سانحہ بیک وقت شدید تھا اور آسان بھی، جس کی بلیغ ترین تعبیر حضرت عمرؓ نے خنجر کا مہلک زخم لگ جانے پر فرمائی، آپ نے مرتے ہوئے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔ یعنی، اللہ کا حکم پہلے سے تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

پس حضرت عمرؓ کی وفات مقدرات میں سے ایک بات تھی نہ کوئی ٹولی حملہ آور ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑی اور نہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی، ایک معمولی مکار نے دھوکا دیا جس میں موت کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

مگر حضرت عثمانؓ کا خون، تو ایک بے لگام بغاوت اور ایک ایسے فتنے کا نتیجہ تھا جس میں لوگ اپنی تمیز کھو چکے تھے انھیں یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ رہے ہیں یا پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا خون اس خوف وہراس کا نتیجہ تھا جو ایک عرصہ تک پورے مدینہ پر چھایا رہا اور بعد میں دور دور تک پہنچا، جس سے لوگ گھبرا اٹھے، والیانِ ریاست یعنے صوبے کے حاکموں نے فوجیں تیار کیں سرحدوں پر بھیجنے کے لئے نہیں جہاں بھیجنے کی ضرورت تھی بلکہ دارالحکومت مدینہ منورہ کے لئے تاکہ وہاں امن بحال کیا جائے اور خوف وہراس کا خاتمہ ہو اور خلیفہ کو محاصرے سے نکالا جائے لیکن ابھی یہ فوجیں دارالحکومت تک پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ خلیفہ کو قتل کر دیا گیا، فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو گئیں اور مدینہ میں بدستور خوف و دہشت اور بے چینی کا دور دورہ رہا۔

حج کے زمانے میں بغاوت کی خبریں حاجیوں تک پہنچ چکی تھیں عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو حضرت عثمانؓ کا وہ اعلان سنایا تھا جس میں آپ نے ظلم و زیادتی سے اپنے کو بری بتایا تھا اور باغیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ سے بغاوت کر رہے ہیں، لوگوں نے خوف وہراس کی حالت میں حج کے احکام ادا کئے اور اضطراب و پریشانی کے

کے عالم میں واپس آکر ہم وطنوں سے مدینہ کے پُر خطر حالات کا بیان کیا۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال مسلمانوں نے اُداس چہروں اور بے چینی بھرے دلوں سے کیا، جب ان کی پریشانی اور بے اطمینانی یہ دیکھ کر بڑھتی جارہی تھی کہ قاتل باغی ابھی مدینے ہی میں ہیں اور قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جدید خلیفہ اور اس کی بیعت کرنے والے مہاجر اور انصار، باغیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہیں، چنانچہ حضرت علیؓ نے جب معلوم کرنا چاہا کہ خلیفۂ وقت پر شورش کے سبب کیا گذری اور کس طرح گذری تو وہ اس کی تحقیقات کرنے پر قدرت نہ پا سکے، علاوہ ازیں مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو خوب جانتے تھے، اُن کا اندازہ تھا کہ سب نہیں تو بعض گورنر ضرور اس نئی خلافت سے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے خلیفہ سے جھگڑا کریں گے، خاص طور پر ان کو معاویہؓ ابن ابی سفیان سے ڈر تھا کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ مقتول خلیفہ سے معاویہؓ کی رشتہ داری ہے ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شامی معاویہؓ کے فرماں بردار ہیں کیوں کہ وہ ایک عرصۂ دراز فاروق اعظمؓ کے زمانے سے ان کے حاکم ہیں، مدینہ والے جانتے تھے کہ بنی اُمیہ میں معاویہؓ کا پوزیشن کتنا اونچا ہے اور یہ کہ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم میں ظہورِ اسلام سے بھی پہلے کی قدیم عداوت ہے، نبیؐ اور ان کے صحابہ جب اپنا نیا دین لے کر مدینہ کی طرف نکلے تو قریش کی قیادت ابو سفیان نے کی، جب بدر کے معرکے میں قریشی سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا تو اُحد کے معرکے میں قریش کے ساتھ ابو سفیان ہی آئے اور بدر کے مشرک مقتولوں کا بدلہ لیا، ابو سفیان کی بیوی ہند نے جو معاویہؓ کی ماں ہے وحشیؔ کو اس خوشی میں آزاد کر دیا کہ اس نے حمزہؓ کو قتل کر دیا، ہند حمزہؓ کے قتل کے بعد میدان میں جاتی ہے، پڑی ہوئی لاشوں میں حمزہؓ کو تلاش کرتی ہے جب ان کی لاش پا جاتی ہے تو پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالتی ہے اور اس کو چباتی ہے۔ خندق کے معرکے میں ابو سفیان ہی قریش کے قائد تھے، انھوں نے ہی عربوں کو نبیؐ اور صحابہ کی مخالفت میں یکجا کیا، یہودیوں کو اس طرح

ؔ ایک حبشی غلام کا نام جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔

اکسایا کہ انھوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نبیؐ اور صحابہ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ ابو سفیان ہی تھے جو قریش کو نبیؐ کے مدِ مقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرتؐ کے خلاف مکاریاں اور چالبازیاں کرتے رہے یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن آگئے اور اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

لوگ معاویہؓ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد نبیؐ کے مقرب بن چکے تھے اُن کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے[1]، وہ مسلمان اور مخلص مسلمان تھے۔ وہ نبیؐ کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے ان تمام باتوں کے باوجود معاویہؓ بہر حال اُحد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابو سفیان کے بیٹے تھے وہ ہند کے لڑکے تھے جس کی حمزہؓ سے دشمنی کا یہ عالم کہ قتل کے بعد ان کی لاش کی تلاش کرے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبائے اور نبیؐ کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔

مسلمان، معاویہؓ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو "امان یافتہ" کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، تم سے کوئی باز پرس نہیں۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ۔ آنحضرت صلعم کی وحی علیؓ ابن ابی طالب اور عثمانؓ ابن عفان لکھا کرتے تھے اگر یہ غیر حاضر ہوتے تو وحی کی کتابت ابی ابن کعب اور زید بن ثابت کیا کرتے تھے، اور خالد بن سعید بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان آپ کی ذاتی ضروریات کے معاملات تحریر کرتے اور عبد اللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور علا بن عقبہ لوگوں کی ضروریات کے لئے کتابت کیا کرتے تھے اور زیادہ تر عبد اللہ بن ارقم نے آنحضرت صلعم کی طرف سے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

اسی طرح ابن ابی حدید نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک تھے لیکن ان کی کتابت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھی؟ ارباب سیر محققین کا مسلک یہ ہے کہ۔ وحی کی کتابت تو علیؓ اور زیدؓ بن ثابت اور زید بن ارقمؓ کیا کرتے تھے اور حنظلہ بن ربیع تیمی اور معاویہؓ بن ابی سفیان بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام آنحضرتؐ کی طرف سے خطوط لکھتے تھے اسی طرح یہ دونوں آپ کی ضروریات اور صدقات کے بارے میں آمد اور تقسیم بھی لکھا کرتے تھے، (الحسین مصنفہ علی جلال حسینی ص ۶۱ مطبوعہ قاہرہ)۔

لوگ ان تمام باتوں کو جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہاشمی خلیفہ اور اموی امیر کے درمیان معاملات کا تصفیہ آسانی اور نرمی سے نہیں طے پا سکتا۔ لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبیؐ کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رخ بنی ہاشم کی طرف سے اس لئے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن وعافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی، لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نواز کر بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا ہے، اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہیئے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو صرف یہی خطرہ نہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا ہوگا بلکہ وہ ڈرتے تھے کہ ایک طرف تو علیؓ اور بنی ہاشم کے تعلقات میں خرابی پیدا ہوگی دوسری طرف کل خاندانِ قریش باہم دست و گریباں ہوگا، اِن حالات میں وہ اپنے سامنے ایک ایسی زندگی دیکھ رہے تھے جس کی صبح و شام میں نہ امن و عافیت ہے اور نہ فراخی اور خوش حالی، البتہ خوف ہے اور بے چینی، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ زندگی آگے چل کر انھیں مصیبت کے کسی بڑے دلدل میں نہ پھنسا دے، وہ جب غور کرتے انھیں نظر آتا کہ بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ کی ایک جماعت معاملات سے دور دور رہنا پسند کرتی ہے اور لوگوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے معاملات سے الگ رہی، حضرت علیؓ کی بیعت میں حصہ نہیں لیا اور انتظار میں وقت گذارتی رہی، اس جماعت میں اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جو خوبی اور نیکی میں انتخاب تھے اور اس قابل کہ سب سے زیادہ ان کا احترام کیا جائے جیسے سعد ابن ابی وقاصؓ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے، فارس کے فاتح، نبیؐ جن لوگوں سے خوش ہو کر دنیا سے گئے ان میں کے ایک، فاروق اعظم کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے رکن، اور جیسے عبداللہ ابن عمرؓ وہ مردِ نیک جو مسلمانوں میں اختلافِ خیال کے باوجود اپنے دینی تعمق کی وجہ سے مقبول ہیں، محاسن کے دل دادہ، حرص و طمع سے دور اور مسلمانوں کے بلا روو رعایت خیر خواہ۔

(باقی)